الیکشن کمیشن ضابطہ اخلاق کی پابندی کروانے میں ناکام کیوں؟

تحریر: سہیل احمد لون

مادر جمہوریت برطانیہ کے گزشتہ عام انتخابات میں کنزویٹو پارٹی کی غیر متوقع واضح برتری کے بعد اخلاقیات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دوسرے نمبر پر آنے والی لیبر پارٹی کے سربراہ ایڈورڈ ملی بینڈ نے استعفا دے دیا۔اس کے بعد کچھ عرصہ مادام Harriet Harman نے جماعت کی باگ ڈور سنبھالی۔لیبر پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں پارٹی کا سربراہ چننے کے لیے انتخابی شیڈول مرتب کیا گیا۔جمہوری نظام کی روایت اور اصول کے مطابق پارٹی کے سربراہ کا انتخاب کرنے کے لیے پہلے امیدوار کی نامزدگی کے لیے ایک مخصوص وقت دیا گیا۔جماعت کے طے شدہ قانون کے تحت امیدوار کے بیلٹ بکس تک رسائی کے لیے کم از کم 35 ممبر آف پارلیمنٹ کی حمایت ہونا لازمی تھا۔اس سنگ میل کو عبور کرنے والے چار امیدوار سامنے آئے جن میں شیڈو ہیلتھ سیکریٹری Andy Burnham کو 68 ممبرز آف پارلیمنٹ نے نامزد کیا،شیڈو ہوم سیکریٹری Yvette Cooper کو 59 ممبرز آف پارلیمنٹ نے نامزد کیا،شیڈو منسٹر فار کیئر اینڈ اولڈ پیپلز Liz Kendall کو 41 ممبران کی حمایت حاصل تھی جبکہ سب سے آخر میں اس دوڑ میں شامل ہونے والے ممبر آف پارلیمنٹ Jeremy Corbyn تھے جنہیں 36 ممبر آف پارلیمنٹ نے لیبر پارٹی کی قیادت کے لیے امیدوار نامزد کیا۔اگر Jeremy Corbyn کو صرف 2 ممبران کی حمایت کم ہوتی تو وہ انتخابی ریس سے باہر ہو جاتے۔بمشکل بیلٹ بکس تک رسائی حاصل کرنے والے جرمی کوربن کی انتخابی Campaign اتنی متاثر کن اور فعال تھی کہ اس نے شیڈو منسٹر اور شیڈو سیکریٹری سے زیادہ ووٹ لے کر پارٹی کی قیادت سنبھالنے کا اعزاز حاصل کیا۔جرمی کوربن کا سوشل میڈیا سیل بہت active نظر آیا۔اپنی تمام تر Campaign میں اسے کہیں جلسہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی اور نہ ہی اس نے کوئی ریلی نکالی،بینرز اور فلیکس لگانے کا خرچہ بھی نہیں ہوا۔میڈیا اور سوشل میڈیا سے اپنا پیغام پارٹی کے ورکرز،سپورٹرز اور دیگر ممبران کو پہنچا دیا گیا۔مختلف ٹی وی اور ریڈیو ٹاک شوز میں debates ہوئیں اس کے بعد حیران کن طور پر جرمی کوربن نے تقریباً 59.5% ووٹ حاصل کیے اس کے بعد دوسرے نمبر پر آنے والے امیدوار اینڈی برن ہیم تھے جنہیں 19% ووٹ ملے۔مادام کوپر کو 17 اور مادام کینڈال کے حصے میں 4.5 فیصد ووٹ آئے۔

انتخابی عمل میں پارٹی کے ممبران کے علاوہ رجسٹرڈ سپورٹرز اور الحاق حامیوں نے حصہ لیا۔ٹرن آؤٹ 76.3% رہا اور 422,871 ووٹ ڈالے گئے۔عام انتخابات کے نتائج کی طرح انتخابی عمل کی شفافیت پر کسی نے کوئی بات نہیں کی،کہیں سے دھاندلی کی شکایت نہیں آئی۔انتخابی نتائج کے اعلان کے بعد وکٹری speech ہوئی جس میں ہارنے والوں نے کھلے دل سے مبارک باد دی۔پارٹی کی قیادت سنبھالنے کے بعد جرمی کوربن نے اس بات پر زیادہ توجہ نہیں دی کہ کنزویٹو پارٹی کیوں جیتی؟ بلکہ اس نے اس بارے میں معلومات اکٹھی کرنا شروع کیں کہ لیبر پارٹی کیوں ہاری؟ کیونکہ جیتنے کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہوتا کہ ہارنے کی وجہ کیا تھی تا کہ ان خامیوں پر قابو پا کر پارٹی کے نظام میں بہتری لائی جائے۔آج برطانیہ کی دو بڑی سیاسی جماعتوں میں سے ایک کی قیادت جرمی کوربن کر رہے ہیں جس کے لیے انہیں کسی وصیت کی ضرورت نہیں پڑی،اور نہ ہی وہ اسٹیبلشمنٹ کے آشرباد سے اس مقام تک آئے ہیں۔برطانوی

پارلیمنٹ میں اپوزیشن لیڈر بننے تک ان کو 33 برس سیاسی جدوجہد کرنا پڑی۔ ٹونی بلیئر، گورڈن براؤن، ایڈملی بینڈ، اور جرمی کوربن میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کا شجرہ Keir Hardie سے ملتا ہو جس نے لیبر پارٹی کا بنیاد ڈالی تھی۔ حتی کہ لیبر پارٹی کا بننے والا پہلا وزیراعظم Ramsay MacDonald بھی اس کا رشتہ دار نہیں تھا۔ تعجب ہے جن کو پاکستان میں کمر میں چک بھی پڑ جائے تو لندن میں علاج کے لیے آتے ہیں مگر وہ یہاں کا حقیقی جمہوری نظام نہیں دیکھ پاتے۔ جمہوریت کا نام پر عوام کو بار بار بے وقوف بنانے والوں نے ''جمہوری سیاسی جماعتوں'' کے نام ہی اپنے ناموں سے منسوب کیے ہوئے ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی بھی سیاسی جماعت کی قیادت آمرانہ طریقے سے مسلط ہو جائے اور اس سے جمہوری نظام چلانے کی توقع کی جائے۔ گزشتہ برس ہماری یونیورسٹی میں سٹوڈنٹ یونین کے انتخابات ہوئے جس میں کسی بھی امیدوار کو انتخابی مہم کے لیے £30 سے زائد خرچنے کی اجازت نہیں تھی۔ برطانیہ میں لوکل باڈی کے انتخابات میں بھی کونسلرز کو انتخابی مہم میں بہت کم خرچ کرنے کی حد مقرر کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی آسانی سے انتخابی عمل میں حصہ لے سکتا ہے۔ عام انتخابات میں بھی امیدواروں کو بے دریغ پیسہ خرچنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ان دنوں لاہور میں حلقہ 122 کے ضمنی انتخابات کی مہم پورے زور وشور سے جاری ہے۔ چیئرمین تحریک انصاف عمران خان نے آٹھ آٹھ گھنٹے حلقے میں ریلی کی قیادت کر کے اپنے امیدوار علیم خان کے سپورٹ کرتے نظر آئے اور سمن آباد کی تاریخی ڈونگی گراونڈ میں بھرپور جلسہ بھی کر دیا جس کے اخراجات کا حساب لگانا انتہائی مشکل ہے۔ جلسے کا جواب جلسے سے دینے کا اعلان نون لیگ کے سربراہ اور وزیراعظم میاں نواز شریف نے بھی کر دیا ہے۔ ابھی تک کسی کو پیپلز پارٹی پارلیمنٹرینز کے امیدوار کا نام نہیں پتہ تھا اور نہ ہی وہ میدان میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اپنی شناخت کروانے کے لیے انہوں نے علیم خان اور ایاز صادق کی خلاف الیکشن کمیشن میں یہ درخواست دی کہ یہ دونوں امیدوار انتخابی مہم میں پندرہ لاکھ روپے خرچ کرنے مقررہ حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔ جس کا نوٹس الیکشن کمیشنز آف پاکستان نے لے لیا ہے۔ وطن عزیز میں بدمعاشی اور کرپشن سے پیسہ اکٹھا کیا جاتا ہے پھر پیسہ لگا کر سیاست دان بن جاتے ہیں۔ منسٹر بن کر پھر سود سمیت وصول کرتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو پیدا ہوتے ہی عوام پر حکمرانی کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ حلقہ 122 کی انتخانی مہم دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ ایک رئیس کا دوسرے رئیس سے ووٹ خریدنے کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ کاش! وطن عزیز میں بھی اصل جمہور انتخابات لڑنے اور عوام کی حقیقی نمائندگی کرنے پارلیمنٹ ہاؤس تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں۔ مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انتخابی عمل سستا اور آسان نہیں بنایا جاتا۔ جہاں غریب آدمی کے لیے پارلیمنٹ ہاؤس تک پہنچنے میں اتنی دشواریاں ہیں وہاں کوئی عام آدمی کسی ''جمہوری سیاسی جماعت'' کی قیادت کرنے کا کیسے سوچ سکتا ہے۔ اگر برطانیہ میں حقیقی جمہوریت نہ ہوتی ہے تو ایک پاکستانی نژاد بس ڈرائیور کا بیٹا صادق خان آج برطانیہ کے دارلحکومت لندن میں لیبر جیسی بڑی سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم سے میئر کا انتخاب لڑنے کا خواب بھی نہ دیکھ سکتے۔ اسی طرح ایک اور پاکستان نژاد بس ڈرائیور کا بیٹا ساجد جاوید حکومتی پارٹی سیکریٹری آف سٹیٹ فار کلچر میڈیا اینڈ سپورٹس کے عہدے پر براجمان نہ ہو پاتا۔ اسی طرح بیرونس سعیدہ وارثی بھی کنزرویٹو پارٹی میں اعلی عہدے تک بہت جلد پہنچنے میں کامیاب ہوئیں۔ اگر دیکھا جائے تو ساجد جاوید، سعیدہ وارثی اور صادق خان کا تعلق اقلیتی کمیونٹی سے ہے مگر جمہوریت اور ریاستی معاملات میں رنگ، نسل، مذہب، مالی حیثیت کو میرٹ پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ وطن عزیز

میں اشرافیہ نے عوام کو ایسا مست کر رکھا ہے کہ وہ شخصیت پرستی میں نسل در نسل غلام بننے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اپنے سیاسی آقاؤں کی خاطر جانیں قربان کرنے میں اپنے گھر والوں کا بھی نہیں سوچتے۔ جب تک عوام کو ہوش نہ آئی تو کبھی بھی کسی ڈرائیور کا بیٹا کسی سیاسی جماعت کی قیادت نہیں کر سکے گا اور اقتدار کی بندر بانٹ بالا دست طبقے کے درمیان ہوتی رہے گی۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان سب سے مشکوک ادارہ ہے سو کوئی بھی اُس پر اعتبار نہیں کرتا اس لیے کروڑوں خرچ کرنے کے باوجود کوئی بھی الیکشن کمیشن کی تلوار کی زد میں نہیں آ رہا۔ ڈرامے جاری ہیں اور جاری رہیں گے اور الیکشن کمیشن آف پاکستان کے قوانین کی دھجیاں یوں ہی اڑائی جاتی رہیں گی۔ عمران خان ٹھیک کہتا ہے کہ یہ ناکارہ الیکشن کمیشن ہے جو ضابطہ اخلاق کی پابندی نہیں کروا سکتا اُس سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے؟؟؟

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

01-10-2015.